OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

نبی اکرم ﷺ کی مدنی زندگی سے متعلق کارل بروکلمان کی آراء

Carl Brockelmann's views about the Madni Era of the life of the Holy Prophet (PBUH)

Syed Adeel Shah
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Al-Hamd Islamic University, Islamabad.
Email: syedadeelahmedgilani@gmail.com

Saira Jabeen Malik
Lecturer, Department of Islamic Thought and Culture, National University of Modern Languages, Islamabad.
Email: Saira478@ gmail.com

Dr. Zia Ud Din
Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Swat, Swat.
Email: ziaud_din@hotmail.com

Received on: 06-10-2023 Accepted on: 09-11-2023

Abstract

A German orientalist Carl Brockelmann is one of those Non-Muslims who have chosen the field of Islamic history to study and write. In his book "History of Islamic People" he has started his accounts from pre-Islamic Arabia. In that chapter C. Brockelmann has covered the biography of prophet Muhammad (PBUH) as well. In that chapter he has presented some discourses which cannot be agreed upon by Muslim thought. In this article "The Madni Era" written by Brockelmann has been taken into consideration and analyzed in the light of Islamic scholarship. The whole article has been presented in descriptive and analytical style. The opinion of Brockelmann is described first and later it has been taken into critical analysis. At the end of article, the result of study has been given.

Keywords: Prophet, Muhammad (PBUH), Islam, History, Orientalism, Carl Brockelman, etc

تعارف

جرمنی سے تعلق رکھنے والے کارل بروکلمان (Carl Brockelmann) کا شمار ان مستشرقین میں ہوتا ہے جنہوں نے مسلمانوں کی تاریخ کو اپنی تصنیف وتالیف کے لیے منتخب کیا ہے۔ بروکلمان نے اپنی کتاب "History of the Islamic People" میں مسلمانوں کی تاریخ کو زمانہ جاہلیت سے شروع کیا ہے اور اس میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت وسوانح کو ایک باب کی صورت دی ہے۔ آپ ﷺ کی مکی زندگی کو بروکلمان نے موضوعِ بحث بنا کر جو تفصیلات پیش کی ہیں ان میں بعض ایسے مباحث شامل ہیں جن کے ساتھ مسلم

ذہن متفق نہیں ہے۔ان مباحث کا جائزہ ہم ایک مقالہ کی صورت میں پیش کر چکے ہیں [1]۔ جبکہ مقالہ ہذا میں کارل بروکلمان کے ان مباحث کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے جن کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی مدنی زندگی کے ساتھ ہے۔مقالہ ہذا کا اسلوب بیانیہ اور تجزیاتی ہے۔ہر مبحث کی ابتداء میں کارل بروکلمان کا مؤقف لکھا گیا ہے اور اس کے بعد فکرِ اسلامی کی روشنی میں اس کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔مقالہ کے اختتام پر تمام ملاحظات کا لب لباب پیش کرکے موضوع کو مکمل کیا گیا ہے۔

یہودِ مدینہ اور اوس وخزرج کے تعلقات

کارل بروکلمان لکھتا ہے کہ یہودیوں کی اوس اور خزرج کے ساتھ نہیں بنتی تھی اور ان دونوں قبیلوں کی آپس میں بھی سخت دشمنی چل رہی تھی۔یہودی عموماً ان دونوں قبائل کو یہ کہہ کر دھمکاتے تھے کہ عنقریب ایک آخری نبی کی بعثت ہوگی اور ہم اس کے ساتھ مل کر تم لوگوں کو زیر کرلیں گے۔یہود کا یہ دعویٰ معروف تھا اور اس کی آواز مکہ تک بھی پہنچ چکی تھی۔لہذا نبی اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ یہودی اور مسیحی ایک آخری پیغمبر کی آمد کے منتظر ہیں۔اس لیے آپ ﷺ نے وہی آخری نبی بننے کی تیاری کی اور اس ضمن میں یہودیوں اور مسیحیوں سے رابطہ کیا اور ان سے دینی معلومات حاصل کیں۔آپ ﷺ کی یہ کوشش کامیاب ہوئی اور جبریل علیہ السلام کے ذریعے آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا۔اس لیے جب مشرکین مکہ کی جانب سے مسلمانوں کو گزند پہنچایا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے پیروکاروں کے ساتھ یثرب کی جانب اسی لیے ہجرت کی کہ وہاں یہود آباد تھے جو آپ ﷺ کو بطور آخری پیغمبر خوش آمدید کہہ سکتے تھے [2]۔

(As a result there were continuous internal struggles and finally a civil war between the two tribes of the Aus and Khazraj, which divided the sympathies of the entire city. The Aus had succumbed to the Khazraj;...........but in alliance with the Jewish tribes Nadir and Qurayzah the Aus had rallied once again and had beaten the Khazraj in a greater and decisive battle at Bu'ath after a lengthy struggle; but there was no honorable peace as a result.........but no one among them had enough prestige to quell the dissension; an arbiter, long since indispensable, could only come from outside. The office might have fallen to some heathen kahin. Instead, the murderous fratricidal strife had smoothed the way for the prophet)[3].

کارل بروکلمان نے عرب میں موجود یہودیوں کے اقتصادی حالات کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ان تفصیلات میں اوس اور خزرج کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔کہ کس طرح تجارتی سرگرمیوں پر یہودیوں نے اپنی اجارہ داری قائم کی اور ساہوکاری کے دھندے کو ترویج دیتے ہوئے عربوں کو اپنا مقروض بنا رکھا تھا۔اس کے بعد بروکلمان نے ان یہودیوں کے اقتصادی زوال کو بھی موضوع بحث بناتے ہوئے لکھا ہے کہ اوس اور خزرج نے مرورِ ایام کے بعد معاشی سرگرمیوں پر یہودی کا قبضہ توڑ کر ان سرگرمیوں پر اپنا تسلط قائم کرلیا تھا۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یمن میں ابرہہ عیسائی کی حکومت مضبوط ہوچکی تھی اور عیسائیوں میں یہودیوں کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی تھی۔ابرہہ نے یہودیوں کے بجائے عربوں کے ساتھ معاشی تعلقات بنائے جس کے سبب اوس اور خرج کے عرب تجار خوش حال ہوتے گئے تھے [4]۔

(The Rulers of this oasis were the tribes of Aus and Khazraj, later included under the

Muslim honorary name of Ansar, the is, "the Helpers"……..Before they immigrated into Medina, the city is supposed to have been on the hands of the Jews. But the latter's economic power was apparently broken as a result of the above mentioned South Arabian campaign of the Abyssinian satrap Abraha; from then on the Jews had lived dispersed among the Aus and khazraj, who had begun by being squatters on their land)5.

اوس اور خزرج نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کو کیوں قبول کیا؟ اس ضمن میں بروکلمان نے یہ مقدمہ قائم کیا ہے کہ ان دونوں قبیلوں کو باہمی مصالحت کے لیے کسی ایسے سہارے کی تلاش کی تھی جو یثرب سے باہر ہو۔ صرف اس غرض کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو مدینہ میں تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ ﷺ کو رسول اور رہنما تسلیم کر لیا تاکہ بیرونی دشمن سے نبرد آزما ہو سکیں، اس اقدام کے پیچھے کوئی مذہبی جذبہ کارفرما نہیں تھا[6]۔

(The Community was to stand together against external enemies, but the Jews, when it was not a question of an attack on the city itself, were obligated only to contribute to the costs of the war, not to participate actively.7)

مؤقف کا تجزیہ

پہلے دعوے میں کارل بروکلمان کج فہمی میں مبتلا نظر آتا ہے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ اس نے خود لکھ رکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو پہلے ہی محسوس ہو چکا تھا کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ اس کے بعد اس نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور پھر آپ ﷺ نے اعلان نبوت کیا۔ یہاں وہ لکھ رہا ہے کہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ میں آخری پیغمبر بنوں اور اس کے لیے آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ کے پیغمبری کے گر سیکھے اور پہلی وحی کے بعد اعلان نبوت کر دیا۔ لہذا بروکلمان کا اپنا دعویٰ داخلی اعتبار سے متضاد اور متناقض ہے۔

دوسرے دعوے میں یہاں بروکلمان نے موضوعی انداز میں ایک نیا مقدمہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یمن کے ابرہہ کا یثرب کے یہودیوں کی معیشت کو خراب کرنے میں بھلا کیا کردار ہو سکتا ہے؟ دوسری بات یہ کہ اگر یہودی تمام عرب کی معیشت پر قابض تھے تو کیا یہ معقول اور موزوں تھا یا ہر کوئی اپنی معاشی سرگرمی میں آزاد ہو، یہ معقول تھا؟

یثرب کی زرمین زرخیز تھی۔ اس میں کھجوروں اور پھلوں کے علاوہ سبزیاں اور اناج بھی اگتا تھا۔ اس لیے وہاں کے عرب زمین داروں نے اپنی محنت کے بل بوتے پر اپنی پیداوار کو یمن میں فروخت کیا اور اقتصادی طور پر خود کفیل بن گئے تھے جب کہ یہودی کاروبار میں خیانتیں اور غبن کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے یمن میں وہ بدنام ہو چکے تھے۔ لہذا اہل یمن نے یہودیوں کے ساتھ تجارتی امور طے کرنے بند کر دیے تھے۔ یہ یہودیوں کی بددیانتی دھوکہ دہی تھی جس کی وجہ سے ان کے سیاسی اور معاشی حالات خراب ہوئے اور پھر انہیں یمن سے بے دخل کر دیا گیا۔

تیسرے مقدمے میں نبی ﷺ کو مذہبی شخصیت کے طور پر اوس اور خزرج کے ہاں ملنے والی مقبولیت کے ضمن میں کارل بروکلمان نے جو مقدمہ قائم کیا ہے، اس کی تشکیل میں وہ پہلا فرد نہیں ہے بلکہ عہد نبوی میں ہی نبی اکرم ﷺ کو مشرکین مکہ کی جانب سے جادوگر، شاعر،

مجنون اور کاہن جیسے القابات دیے جا چکے تھے۔اس کے بعد غیر مسلموں نے آپ ﷺ کو ایک شہسوار اور ولن کے طور پر پیش کیا تھا۔ نیز آپ ﷺ پر ایسے الزامات عائد کیے جن کا کذب بعد کے زمانوں میں منکشف ہو گیا تھا اور یہ مقالہ ان کی تفصیل کا متحمل نہیں ہے۔اس ضمن تفصیلات پیش کی جا چکی ہیں[8]۔

بروکلمان کا یہ مقدمہ علمی اعتبار سے اس لیے درست نہیں ہے کہ بعتِ عقبہ میں انصار نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کریں گے اور آپ ﷺ کی تائید و حمایت میں ہر حد تک کوشش و کاوش کریں گے۔اس وقت عباس رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ: "ان (نبی ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ہر سرخ و سیاہ سے لڑنا پڑے گا۔ جنگیں کرنا ہوں گی، آفتیں آئیں گی، تمہارے مال و دولت کا صفایا ہو جائے گا اور تمہارے معزز سردار قتل ہو جائیں گے۔ان ممکنہ نتائج پر ابھی غور کر لو۔اگر ایسی آزمائش میں تم رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ دو گے تو بہتر ہے کہ ابھی پیچھے ہٹ جاؤ۔اللہ کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہاری زبردست رسوائی ہو گی۔ہاں! اگر اس کے باوجود تم رسول اللہ ﷺ کے وفادار رہو گے تو اللہ کی قسم! یہ دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی متاع ہو گی"۔یہ سن کر انصار بیک زبان بولے: "ہم تمام مالی مصائب اور معززین کی شہادت کی صورت میں بھی عہد وفا کی بیعت کے لیے تیار ہیں[9]"۔ ایسی غیر مشروط اطاعت صرف کسی پیغمبر کی ہی ہو سکتی ہے، کسی سیاسی حاکم کی اطاعت غیر مشروط نہیں ہوتی ہے۔اس بیعت کے بعد مستقبل کے واقعات میں انصار کے کردار نے اس پر مزید مہرِ تصدیق ثبت کر دی تھی جس کی تفصیلات کتبِ سیرت میں موجود ہیں۔

مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا تعامل

کارل بروکلمان کا مؤقف ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی عرصہ میں اپنے مذہبی رجحانات کی بنا پر آپ ﷺ کو مدینہ میں یہودیوں کی جانب سے پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔آپ ﷺ کے یہودیوں کے ساتھ تعلقات بھی متاثر ہوئے تھے کیونکہ آپ ﷺ کو امید تھی کہ ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ کے قرب و جوار میں رہنے والے یہودی آپ ﷺ کے دین کو قبول کر لیں گے۔ان کو اپنے قریب لانے کے لیے آپ ﷺ نے اپنے دین کو اس انداز میں تشکیل دیا کہ اسلام کی مذہبی رسومات اور یہودیت کے درمیان موافقات کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی اور اس کے پیچھے یہی غرض کارفرما تھی کہ کسی طرح یہودیوں کے لیے اسلام کو قابل قبول بنایا جائے[10]۔

مؤقف کا تجزیہ

دیگر مستشرقین کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہودیوں سے متاثر ہوئے تھے لیکن برکلمان نے اس ضمن میں وقت کی تحدید کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ ہجرت مدینہ کے بعد محض ابتدائی عرصہ میں ہوا تھا۔

اس مؤقف میں بھی بروکلمان سابقہ مواقف کی طرح غلط ہے۔یہ مؤقف اس کا اپنا نہیں ہے بلکہ دیگر مستشرقین سے مستعار ہے اور ان مستشرقین کا محاکمہ کرنے والے مسلمان علماء اس کا جواب دے چکے ہیں۔اس ضمن میں یہ طے ہے کہ آپ ﷺ کی ہجرت مدینہ کا مقصد قطعا

یہ نہیں تھا کہ یہود کو اپنے ساتھ شامل کیا جائے۔ مدینہ تشریف آوری کے بعد اگر رسول اور یہودیوں کے درمیان کوئی تعلق تھا تو بھی یہ اسلام کی اصلیت کو تلف کرنے کی قیمت پر نہیں تھا۔ مسلمان مکی زندگی سے ہی نماز پڑھتے آئے تھے اور اس میں سورت فاتحہ کی تلاوت کرتے تھے۔اس کی آخری آیت میں "المغضوب" قوم کا ذکر ہے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ وضاحت فرما چکے تھے کہ اس سے مراد یہود ہیں[11]۔اگر یہودیوں کی خوش نودی مطلوب ہوتی تو ان کے بارے میں نبی ﷺ کا یہ مؤقف ہر گزنہ سامنے آتا۔ بروکلمان کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ ہجرت مدینہ کے مقاصد میں یہود کو ساتھ ساز باز کرنا شامل تھا کیونکہ مدینہ تشریف آوری کے بعد آپ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ میثاق کیا تھا جس میں یہ شق خصوصی طور پر شامل تھی کہ یہودی اپنے دین پر اور مسلمان اپنے دین پر آزاد رہیں گے۔ آپ ﷺ کی جانب سے ان یہودیوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو اسلام قبول کر لیں بصورت دیگر امن معاہدے کی پاس داری کریں[12]۔اس شق سے بھی بروکلمان کے مؤقف کی نفی ہوتی ہے۔ مختلف اوقات میں یہودیوں پر اسلام پیش کیا جاتا تھا لیکن ان کو اسلام قبول کرنے پر کبھی مجبور نہیں کیا گیا اور نہ ہی اسلامی تعلیمات کو یہودیت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔اس کے بجائے ایسی روایات ملتی ہیں جن میں یہودیوں کے شعائر کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا تھا[13]۔

مدنی عہد میں مشرکین مکہ کے ساتھ تعلقات

کارل بروکلمان نے لکھا ہے کہ ہجرت کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو ہمیشہ مکہ کے مشرکین کے خلاف جنگ کرنے اور لوٹ مار کرنے کی ترغیب دی تھی۔ان کا مقصد یہ تھا کہ اپنے اصحاب کو مکاری اور دھوکا دہی کے ذریعے چھپ کر لوٹ مار کرنے کی تربیت دی جاسکے۔ لہذا مسلمان اب امن پسند گروہ کے بجائے حملہ آور گروہ بن گئے جس کا مقصد دوسروں کی املاک پر قبضہ کرنا تھا۔

بروکلمان کے مطابق مسلمانوں میں اس رد عمل کی نفسیات کو پیدا کرنے کا سبب یہ تھا کہ مکی زندگی میں مسلمانوں نے سختیاں، اذیتیں اور مصائب کو جھیلا تھا۔اس وقت ان کے پیشِ نظر اعلائے کلمۃ اللہ کی سربلندی تھی اس لیے انھوں نے صبر و تحمل سے کام لیا تھا لیکن مدینہ میں پہنچنے کے بعد ان کا مقصد تبدیل ہو گیا تھا۔اب وہ مشرکین سے سخت انتقام لے کر انہیں سبق سکھانا چاہتے تھے[14]۔

غزوہ بدر سے قبل وادی نخلہ والا سریہ پیش آیا تھا جس کی تفصیلات کتب سیرت میں موجود ہیں[15]۔کارل بروکلمان نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے حرمت والے مہینے میں اپنے صحابہ کو لڑائی کے لیے امادہ کیا تھا تا کہ مشرکین پر رعب ڈالا جاسکے اور ان کی املاک پر قبضہ کیا جا سکے۔ چنانچہ مسلمان تیار ہو گئے اور انھوں نے اسلام کو مضبوط کرنے کے لیے حرمت والے مہینے میں لڑائی چھیڑ دی۔اپنے اس عمل کو جائز قرار دینے کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ نے قرآن مجید میں وہ آیات بھی شامل کر دیں جن کے مطابق حکم تھا کہ ان مشرکین کو جہاں دیکھو، قتل کر ڈالو[16]۔

(C. brocklemann says that but the Meccan Caravans which passed by Medina very soon aroused a lust for booty among ther impoverished believers, who as emigres in the thickly settled city at first had to struggle with great need, and whom the prophet

kept reminding of the injustices inflicted on them.....17)

مؤقف کا تجزیہ

یہاں بروکلمان نے اپنے مؤقف کی تائید میں کوئی دلیل یا حوالہ پیش نہیں کیا ہے۔اس کے برعکس ایسے حقائق موجود ہیں جو اس کے دعوے کی تردید کرتے ہیں۔ پہلی چیز یہ کہ نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے پیشِ نظر کبھی بھی مال و دولت کو جمع کرنا یا لوٹ مار کرنا نہیں تھا۔ مکی زندگی میں مشرکین نے خود آگے بڑھ کر آپ ﷺ کو اسلام سے برگشتہ ہونے کے انعام کے طور پر خوبصورت عورت سے شادی، مکہ کی سرداری اور دولت کی فراوانی کی پیشکش کر رکھی تھی جس کو آپ ﷺ نے یہ فرما کر مسترد کر دیا کہ اگر تم سورج کا ایک شعلہ لے آؤ اور اس کو میرے ہاتھ پر رکھ دو، تب بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آؤں گا[18]۔

مکی زندگی میں دولت مند گھرانوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے اسلام قبول کیا تو ان کو کفایت شعاری اور صبر سے معمور زندگی ملی تھی۔اس ضمن میں ابو بکر الصدیق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، سعد بن ابی وقاص، الزبیر بن العوام رضی اللہ عنھم جیسے بہت سے صحابہ کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ متعدد اصحاب ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنے اموال کی قربانی دے کر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔اس لیے اگر مسلمانوں کا مطمع نظر مال و دولت سمیٹنا ہوتا تو یقیناً وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہ آتے بلکہ یہ سب کچھ ان کو مکہ میں میسر تھا۔

جنگ بدر سے متعلق اعتراض

کارل بروکلمان کا مؤقف ہے کہ مسلمان پیغمبر اسلام ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے۔اسی طرح معاشرتی زندگی میں ان کی پیروی کرتے تھے۔اس تربیت نے ان کے اندر ایک زبردست نظم و ضبط پیدا کر دیا تھا۔اسی نظم و ضبط کے باعث مسلمانوں نے بدر کے میدان میں دشمن کو زیر کر کے اس پر فتح حاصل کر لی تھی[19]۔

(The obedience and discipline they had acquired in their daily communal religious exercise won a victory over the numerically superior yet undisciplined Meccans.20)

مؤقف کا تجزیہ

مسلمانوں کی فتح کو محض دنیاوی اسباب کے ساتھ مربوط کرنا بھی مستشرقین کا شیوہ محسوس ہوتا ہے کیونکہ اسلامی تراث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے میدان میں مسلمانوں کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائید حاصل تھی۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح اعلان فرما رکھا ہے کہ مسلمان جب دشمن کی تعداد کو دیکھ کر خوف زدہ تھے تب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت پیدا فرمائی، ان کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ تمہاری مدد کے لیے ایک ہزار فرشتوں کی افواج بھیجی جائیں گی: إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ[21]- جب تم اپنے رب سے مدد مانگ رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ بے شک میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرنے والا ہوں، جو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔احادیث میں اس فوج کے مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑنے کی روایات بھی موجود ہیں[22]۔اس نوعیت کی آیات اور احادیث کو نظر انداز کر کے محض اپنے متعصبانہ اسلوب میں مادیت اور ظاہری چیزوں کی

بناپر تبصرہ کرنا علمی دنیا میں مقبول نہیں ہے۔اس کے باوجود بروکلمان نے اس اسلوب کو اپنایا ہے۔

بنو قینقاع کا مدینہ سے خروج

مسلمانوں نے غزوہ بدر کے بعد مدینہ سے یہودی قبیلہ بنو قینقاع کو نکال باہر کر دیا تھا۔اس کے پیچھے بنو قینقاع کی عہد شکنی،ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی اور ایک صحابی کا قتل تھا۔کارل بروکلمان نے ان اسباب کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ بتایا ہے کہ بنو قینقاع قبیلہ نے سخت محنت اور جفاکشی کے بعد مدینہ میں عزت اور عروج حاصل کیا تھا لیکن مسلمانوں کو بنو قینقاع کی یہ عزت نہیں بھائی۔چنانچہ پہلے ایک مسلمان نے ایک مبینہ تنازع کی بناپر بنو قینقاع کے ایک یہودی کا قتل کر دیا اس کے بعد مسلمانوں نے جارحیت کا مزید مظاہرہ کرتے ہوئے بنو قینقاع کا محاصرہ کر لیا تھا[23]۔

(It was worse for the Jews. The Qaynuqa tribe of goldsmiths were the first to feel his power. Only a month after the battle of Badar, Muhmmad Summoned his warriors against them. Ostensibly because of their having summarily killed a Muslim who had killed a j Jew in a quarrel. And forced them to surrender, after besieging them in their quarter for several weeks…24)

مؤقف کا تجزیہ

حقائق پوشی کا ارتکاب کرکے کارل بروکلمان نے بنو قیقاع کا واقعہ جس انداز میں لکھا ہے وہ انداز متعصب غیر مسلموں کے لیے تو قابل قبول ہو سکتا ہے لیکن کسی بھی انصاف پسند کے لیے اس کو قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔اگر تاریخ کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بنو قیقاع کے بازار میں ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی گئی تھی اور اس گھٹیا حرکت کے نتیجے میں وہاں موجود ایک مسلمان نے اس یہودی کا قتل کر دیا تھا جس نے یہ حرکت کی تھی۔اس کے بعد بازار میں موجود بنو قینقاع کے تمام یہودیوں نے جمع ہو کر اس صحابی کو شہید کر دیا تھا[25]۔اس کے بعد آپ ﷺ نے بنو قینقاع کو محاصرہ کر لیا اور بعد میں انھوں نے مدینہ کو چھوڑ جانے کی شرط قبول کر کے اپنی جانیں بچائیں[26]۔

بنو نضیر کا مدینہ سے خروج

کارل بروکلمان "ذات الرجیع[27]" کے غزوہ کی تفصیلات کا ذکر کرنے کے بغیر اس کو مختصر انداز میں پیش کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتا ہے اور پھر لکھتا ہے کہ احد میں شکست کے بعد مسلمانوں کا حجاز میں دبدبہ ختم ہو چکا تھا۔اس کے بعد آپ ﷺ کے چالیس اصحاب کو بدوی قبائل نے دھوکے سے شہید کر دیا تو مسلمانوں کی اپنی بقا خطرے میں نظر آ رہی تھی۔لہذا اپنے رعب اور دبدبے کو بحال کرنے کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ نے بنو نضیر کے یہودیوں کو تر نوالہ بنایا۔لہذا آپ ﷺ نے بنو نضیر کے یہودیوں پر حملہ کر کے انھیں اپنے قلعوں تک محصور کر دیا۔کچھ ہفتوں کے محاصرے کے بعد انھوں نے ہتھیار ڈال دیے کیونکہ ان کا ہم مذہب قبیلہ بنو قریظہ بھی ان کی مدد کو نہیں آیا تھا[28]۔

(Muhammad had to recoup his loss…. On some flimsy pretext he attacked the Nadir and shut them up I their quarter. Since even their coreligionists, the Qurayzah, did not dare help them, they were compelled to surrender after a s siege lasting a few

weeks...29)

بروکلمان لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی کتابوں میں اس واقعہ کو جواز دینے کے لیے بنو نضیر کے یہودیوں پر پیغمبر اسلام ﷺ کے قتل کی سازش کا ایک الزام کا ذکر کیا جاتا ہے جب کہ یہ الزام درست نہیں ہے[30]۔ بروکلمان کے اسی دعوے کو کو جولیس ولہاؤزن نے بھی دوہرایا ہے اور کہا ہے کہ جنگ بدر کے بعد اسلام نے اپنی رواداری کو قائم نہیں رکھا تھا بلکہ ایک جبری پالیسی اختیار کر لی تھی۔ لہذا مسلمانوں نے یہودیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، جب انھوں نے انکار کر دیا تو ان پر عہد شکنی کا الزام لگا کر ایک ایک کر کے ان کو مدینہ سے باہر کر دیا[31]۔

ڈیوڈ مار گولیتھ نے بھی مدینہ کے ان یہودیوں کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار کیا ہے جن کو مسلمانوں نے باہر نکال دیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے پیروکار لوٹ مار کے مال پر گزارہ کرتے تھے۔ ابتداء میں یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرنے کا ہی حکم تھا لیکن پھر سوچ تبدیل ہوئی۔ چنانچہ بنو نضیر پر الزام لگایا گیا کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اسی پر اکتفا نہیں ہوا بلکہ کسی کو لوٹنے کے لیے مسلمانوں کے پاس یہی جواز کافی ہوتا تھا کہ وہ نا مسلم ہے۔ لہذا پیغمبر اسلام ﷺ نے وہی کردار ادا کیا جو ان سے پہلے سکندر اعظم نے اور بیسویں صدی میں نپولین نے ادا کیا تھا۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کس حد تک خطرناک بن چکا ہے[32]۔

مؤقف کا تجزیہ

مار گولیتھ، ولہاؤزن یا بروکلمان کے علاوہ متعدد ایسے مستشرقین ہیں جو نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کے منفی کردار کے لیے عذر اور حیلے وبہانے تلاش کر کے پیش کرتے ہیں۔ ان کی جانب سے سائنسی اسلوب بیان کا دعویٰ تو کیا جاتا ہے لیکن وہ تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی بنو نضیر کے اس کردار پر تفصیلی روشنی نہیں ڈالی جس کے بعد ان کو مدینہ سے نکالا گیا تھا۔ تمام مستند مصادر تاریخ میں وہ تفصیلات موجود ہیں جن کے مطابق:

- جنگ بدر کے بعد قریش نے یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ محمد ﷺ سے جنگ کر کے ان کا خاتمہ کر دو ورنہ ہماری اور تمہاری دوستی ختم اور دشمنی شروع ہے۔ بنو نضیر اس دھمکی میں آ گئے اور انھوں نے منصوبہ بنایا کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکے سے شہید کر دیا جائے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو پیغامم بھیجا کہ آپ ﷺ اپنے تیس صحابہ کرام کو لے کر کسی مناسب جگہ تشریف لے آئیں، ہم بھی اپنے تیس علماء کو لے آئیں گے۔ وہاں گفتگو ہو جائے گی۔ جب مقررہ جگہ پر پہنچے تو انھوں نے تیس کے بجائے تین کی شرط رکھ دی۔ ان تین یہودیوں نے خنجر چھپا رکھے تھے لیکن ان لوگوں کی ایک عورت، جس کا بھائی مسلمان ہو چکا تھا، نے یہ راز فاش کر دیا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کو فوراً اس کی اطلاع کر دی اور آپؐ واپس تشریف لے آئے[33]۔
- نبی اکرم ﷺ بنو کلاب کے دو مقتولوں کی دیت کے سلسلے میں یہود کے ہاں گئے کیونکہ ان سے معاہدہ ہو چکا تھا اور انھوں نے اپنا مقررہ حصہ ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس موقع پر عمرو بن جحاش یہودی نے نبی ﷺ پر پتھر پھینک کر آپ ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی لیکن آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہو گئی اس لیے آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے تھے[34]۔

مذکورہ دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر نے نبی اکرم ﷺ کے قتل کی سازش رچائی تھی۔اسی سازش کے نتیجے میں ان کو مدینہ سے نکال دیا گیا تھا، بروکلمان اور دیگر مستشرقین نے ان اسباب سے اغماض کر علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے[35]۔

اسی طرح مستشرقین کی جانب سے بنو قریظہ کے یہودیوں کے مدینہ سے اخراج کو بھی غلط انداز میں پیش کیا جاتا ہے جب کہ ان کو مدینہ سے نکالنے کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر مسلمانوں سے عہد شکنی کی تھی اور مشرکین مکہ کی افواج کے ساتھ مل گئے تھے۔اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتے تو مدینہ سے مسلمانوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور دشمن کا لشکر اپنے حملے میں کامیاب نہ ہو سکا۔بنو قریظہ کی غداری کی بنا پر ان کو سزا دی گئی۔ان کے جنگجو مردوں کو قتل کر دیا گیا اور باقی لوگوں کو مدینہ بدر کر دیا گیا تھا[36]۔

صلح حدیبیہ

کارل بروکلمان صلح حدیبیہ کو مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان ایک ناکام معاہدہ قرار دیتا ہے[37]۔

(In may 628, as compensation for his apparent failure at Hudaybiaya.....38)

مؤقف کا تجزیہ

اس کے ساتھ بروکلمان اس کے برعکس یہ بھی کہتا ہے کہ قریش نے اس معاہدے کو اپنے تئیں اپنی فتح سمجھ لیا تھا۔کچھ مسلمان جو صلح کے دوران رسول ﷺ کے ساتھ تھے،انہوں نے بھی محسوس کیا کہ صلح کی شرائط مشرکین کے مفاد میں ہیں اس لیے انھوں نے اس کے بارے میں آپس میں گفتگو بھی کی تھی۔جب کہ نبی اکرم ﷺ جانتے تھے کہ اس کی شرائط مسلمانوں کے لیے "فتح مبین" ہیں۔چنانچہ بعد میں سامنے آنے والے نتائج نے ثابت کر دیا کہ یہ مسلمانوں کی بڑی فتح تھی۔پھر یہ ناکام صلح کیسے ہوئی؟ اس صلح کی شقوں میں دس سال کی جنگ بندی بھی شامل تھی جس کے بعد صحابہ کرام کو مکہ میں اپنے رشتے داروں سے ملنے کی آزادی ملی۔آپ ﷺ نے اس کے بعد مختلف حکمرانوں کو اسلام کی دعوت کے خطوط بھیجے تھے۔اس کے علاوہ مدینہ میں منافقوں کے ساتھ نمٹنے کا بھی موقع ملا تھا۔صلح حدیبیہ کے بعد بہت سے مشرکوں کا مدینہ میں آنا ہوا۔انھوں نے اسلامی معاشرت کو قریب سے دیکھا اور اس سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔اس کے باوجود مشرکین کے حلیف قبیلے بنو خزاعہ نے صلح شکنی کی اور اس کے بعد مسلمانوں نے مکہ فتح کر کے اس کو بتوں اور مشرکانہ رسموں سے پاک کر دیا تھا۔کیا یہ ناکامی تھی؟[39]

نبی اکرم ﷺ کے فرزند کا نام "ابراہیم"

مصر کے حاکم "مقوقس" نے آپ ﷺ کے لیے ایک کنیز "ماریہ قبطیہ" کو بطور تحفہ ارسال کیا جس سے آپ ﷺ کے فرزند ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔کارل بروکلمان لکھتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے فرزند کا نام ابراہیم علیہ السلام کے نام پر اس لیے رکھا کہ آپ ﷺ کا خیال تھا کہ وہ (ابراہیم علیہ السلام) ان کے دین کے احیاء کے لیے ان کو (بطور فرزند) عطا فرمائے گئے تھے[40]۔

مؤقف کا تجزیہ

کسی ایک آیت، حدیث یا صحابہ کے قول میں یہ بات ذکر نہیں ہوئی ہے جو بروکلمان نے لکھی ہے۔ خود بروکلمان نے بھی اس دعوے کی تائید میں کوئی حوالہ پیش نہیں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اپنا آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور تمام مسلمانوں کا ایمان ہے کہ آپ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ مکمل اور ختم ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ پر دین کو مکمل کر دیا گیا ہے اور اب دینی لحاظ سے ایسی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے جس کو پورا کرنے کے لیے کسی نئے پیغمبر کو مبعوث کیا جائے یا کسی سابقہ پیغمبر کو زندہ کر کے دنیا میں بھیجا جائے۔ دوسری بات یہ کہ ابراہیم علیہ السلام جدالانبیاء تھے اور وہ اپنی حیات مبارکہ گزار کر فوت ہو چکے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کو قرآن مجید میں بار بار حکم دیا گیا تھا کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی اختیار کریں[41]۔ اگر ابراہیم علیہ السلام کے دوبارہ دنیا میں آنے کا امکان ہوتا تو آپ ﷺ کو یہ حکم نہ دیا جاتا بلکہ بتایا جاتا کہ تسلی رکھیں، ابراہیم علیہ السلام دنیا میں دوبارہ آکر اپنی ملت کا احیاء کر لیں گے۔

اسلام میں آواگون کا کوئی تصور نہیں ہے جس کے مطابق کسی کے وفات پاجانے کے بعد اس کے "پونر جنم" کا عقیدہ قائم کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ وہ شخصیت دوبارہ دنیا میں آکر کسی نامکمل کام کو مکمل کرے گی۔ لہذا یہ ممکن نہیں کہ نبی اکرم ﷺ قرآن مجید کی واضح ہدایات کے نزول کے بعد کسی ایسے عقیدے کو ملحوظ رکھتے جو مشرکانہ اور کافرانہ تھا۔ چنانچہ بروکلمان کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

غزوہ تبوک

کارل بروکلمان کا دعویٰ ہے کہ حنین کی جنگ میں ملنے والے مال غنیمت نے مسلمان کو مہمیز لگائی کہ وہ مزید مال غنیمت جمع کریں۔ مسلمانوں کو مال غنیمت کی حرص تھی اس لیے انھوں نے عرب میں موجود مسیحیوں کی طرف رخ کیا اور سب سے پہلے تبوک کے عیسائیوں کے اموال پر قابض ہونے کا قصد کیا کیونکہ ان عیسائیوں کو روم کی جانب سے تائید اور تعاون حاصل تھا۔ اس لیے یہ لوگ زیادہ مالدار تھے[42]۔

دعوے کا تجزیہ

جہاد کے اسلامی تصور کو بروکلمان نے ہر مقام پر اسی انداز میں پیش کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ آپ ﷺ نے حنین میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کو نہ تو اپنے لیے مختص کیا تھا اور نہ ہی اس کو اپنے اہل و عیال میں تقسیم فرمایا تھا۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے نو مسلموں میں اس کو تقسیم فرمایا تھا۔ اس موقع پر انصار اور دیگر مسلمانوں کی جانب سے تحفظات کا اظہار بھی ہوا تھا کیونکہ ان کو اس مال میں سے کچھ نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ دیگر لوگ مال غنیمت لے کر جا رہے ہیں جب کہ آپ لوگوں کے پاس اللہ اور اس کا رسول ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ انصار اور دیگر مسلمانوں کے اسلام قبول کرنے میں مالِ غنیمت کے حصول کی حرص و ہوس نہیں تھی[43]۔

جہاں تک غزوہ تبوک کی بات ہے تو اس کی بھی منطقی وجوہات موجود ہیں۔ تبوک کے عیسائیوں نے مسلمان معاشروں میں بے چینی اور فساد برپا کر کے ان کو نبی اکرم ﷺ کی نافرمانی پر اکسانے کی سازشیں کی تھی۔ اس کے علاوہ رومی حکومت نے تبوک کے غسانی حکمران کو مدینہ پر

حملہ کرنے کے لیے راضی کر لیا تھا۔ شام کے تاجروں نے نبی اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع کی تو، قبل اس سے کہ عیسائی مدینہ پر حملہ آور ہو جاتے، مسلمانوں نے اقدامی پالیسی کو اپنا کر ان پر چڑھائی کر دی[44]۔

نبی اکرم ﷺ اسلامی ریاست کے حاکم تھے جس کی حفاظت کے لیے انھوں نے یہ قدم اٹھایا تھا۔ اگر عیسائی افواج کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوتا، خواتین کی بے حرمتی ہوتی، بچے ذبح کر دیے جاتے اور مدینہ تاراج ہوتا تو شاید بروکلمان اس کو کلیسا کی منصفانہ مقدس جنگ سے تعبیر کرتا۔ لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اس لیے اس کو مال غنیمت کے حرص کے ساتھ مربوط کرنے کی کوشش کی۔

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے اسباب

کارل بروکلمان کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک "ساٹھ سال" تھی اور آپ ﷺ کی وفات کی دو وجوہات تھیں:

1. پہلی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کی نکاح میں متعدد خواتین تھیں۔ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی مسائل کا شکار تھی اور ازدواجی امور میں ناہمواریوں کے باعث آپ ﷺ سخت نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو چکے تھے اور یہی نفسیاتی دباؤ بڑھتے بڑھتے آپ ﷺ کی وفات کا باعث بنا تھا۔

2. دوسری وجہ یہ کہ آپ مدینہ کے سیاسی اور انتظامی امور کو سلجھانے کی پوری کوشش کر رہے تھے لیکن آپ ﷺ میں وہ سیاسی دور اندیشی اور ریاستی امور کو نمٹانے کی اہلیت نہیں تھی جو اس منصب پر براجمان فرد میں ہونی چاہیے۔ لہذا آپ ﷺ ذہنی تناؤ کا شکار ہو گئے اور جب ریاستی امور کو مزید سنبھالنا آپ ﷺ کے لیے ممکن نہ رہا تب یہ تناؤ بڑھتے بڑھتے آپ ﷺ کی وفات کا سبب بنا۔

مؤقف کا تجزیہ

وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔ بروکلمان نے ساٹھ برس لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی سیرت و سوانح کی توقیت کو نہیں سمجھ سکا ہے۔ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کامیابی اور توازن سے معمور تھی۔ ایسی کوئی نظیر نہیں جس کی مدد سے کارل بروکلمان کے دعوے کو ثابت کیا جا سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کی زوجیت میں متعدد خواتین موجود تھیں لیکن اس تعدد ازدواج کو بہانہ بنا کر یہ دعویٰ کرنا کہ آپ ﷺ کی عائلی زندگی ناہموار تھی، سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر تعدد ازدواج سے گھریلو زندگی کا توازن خراب ہونا ضروری ہے تو ان انبیاء کے بارے میں کیا خیال ہے جو بائبل میں مذکور ہیں اور ان کی ایک سے زیادہ ازدواج تھیں[45]۔

بطور ریاستی حکمران بھی آپ ﷺ ایک کامیاب شخصیت تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کو امن و امان کا گہوارہ بنایا اور اس کے بعد حجاز کی پوری سرزمین کو اس میں شامل کر کے عدل و انصاف کا نظام قائم کیا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے واقعات میں ایسا کوئی پہلو نظر نہیں آتا جس سے محسوس ہو کہ وفات کے وقت آپ ﷺ اپنے ریاستی معاملات میں کسی قسم کی پریشانی میں مبتلا تھے۔ آپ ﷺ کی سیاسی صلاحیتوں سے

متعلق مستند حقائق جمع کر کے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دو انتہائی وقیع کتابیں تحریر کی ہیں۔ ان کا بالاستیعاب مطالعہ نہ صرف بروکلمان بلکہ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت پر معترض تمام مستشرقین کے اشکالات رفع کیے جا سکتے ہیں[46]۔ لہذا بروکلمان کا یہ دعوی باطل ہے اور اس کے بطلان کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خود بروکلمان نے اس دعوے کی تائید میں کوئی دلیل پیش نہیں کی بلکہ محض دعویٰ کرنے کا اکتفا کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خیبر کی ایک یہودی خاتون نے نبی اکرم ﷺ کو کھانے کی دعوت دی اور بھیڑ کے گوشت میں زہر ملا کر آپ ﷺ کو کھلا دیا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ تین برس تک زندہ رہے لیکن آپ ﷺ بعد کے زمانے میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے تھے کہ اس زہر کا اثر میں ابھی بھی محسوس کرتا ہوں۔ اسی زہر کے اثر سے بعد میں آپ ﷺ کو بخار ہوا اور آپ ﷺ اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے تھے۔ اس ضمن میں مسلمان مؤرخین نے تفصیلات پیش کر رکھی ہیں[47]۔

سنت رسول ﷺ کے بارے میں کارل بروکلمان کی آراء

مدینہ میں صحابہ کرام نے قرآن مجید کی کتابت کے ساتھ ساتھ احادیث کو لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس ضمن میں کارل بروکلمان کا دعویٰ ہے کہ ابتدائی دو ہجری صدیوں میں سنت رسول ﷺ کی کوئی بھی روایت ضبط تحریر میں نہیں آئی تھی۔ تیسری صدی ہجری کے مسلمانوں نے ان روایات کو گھڑ کر کتابوں میں شامل کر لیا تھا[48]۔

مؤقف کا تجزیہ

اس دعوے میں برکلمان اکیلا نہیں ہے بلکہ اس دعوے کو پوری شد و مد کے ساتھ گولڈ زیہر بھی پیش کر چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں مسلمان علماء ایک نیا مذہب تشکیل دینا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے ہزاروں احادیث وضع کر کے ان کو صحیح احادیث کے ساتھ شامل کر لیا تھا[49]۔

مسلمان علماء نے گولڈ زیہر سمیت تمام مستشرقین کی جانب سے سامنے آنے والے اس اعتراض کے مسکت جوابات دیے جا چکے ہیں اور احادیث کی تدوین و تصنیف عہد نبوی میں ہی شروع ہو چکی تھی۔ تیسری صدی ہجری سے قبل تیار ہو چکے احادیث کے مجموعوں کی تفصیلات بھی پیش کی گئی ہیں جن کی روشنی میں گولڈ زیہر، شاخت اور کارل برکلمان ایسے مستشرقین کے اعتراضات خود ہی رفع ہو جاتے ہیں[50]۔

یوم آخرت کے اسلامی تصور پر اعتراض

اسلام میں آخرت کا تصور مکی عہد میں متعارف کروا دیا گیا تھا۔ مدینہ میں اصلاح اعمال کے لیے اسلامی قانون کے نفاذ کے ساتھ فکر آخرت کو بھی مد نظر رکھا گیا تھا۔ بروکلمان کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے آخرت کے دن کا تصور بھی قدیم بابلی، فارسی اور یہودی مذاہب سے اخذ کیا تھا۔ ان مذاہب سے متاثر ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کو بھی محسوس ہوتا تھا کہ قیامت آنے والی ہے لیکن کب آئے گی؟ یہ آپ کو معلوم نہیں تھا اس لیے آپ ﷺ نے قرآن مجید میں وہ آیات[51] شامل کر دیں جن کے مطابق وقوع قیامت کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے[52]۔

وہ یہ بھی کہتا ہے جنت میں تمام نعمتوں کو مردوں کے لیے مخصوص کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کا تصور مردانہ سوچ کے مطابق تشکیل دیا گیا ہے۔ خواتین کو اس کی نعمتوں سے محروم دکھایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مرد خواتین سے حسد اور بغض رکھتے ہیں[53]۔

مؤقف کا تجزیہ

آخرت کا تصور یہودیوں یا فارسیوں سے ماخوذ نہیں ہے کیونکہ یہودیوں کے تمام فرقے یومِ آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے ہیں۔اس لیے یہ عقیدہ یہودیوں میں متفق علیہ عقیدہ نہیں ہے۔ جب کہ قرآن مجید میں آخرت کا تصور متعدد آیات میں واضح طور پر موجود ہے۔ یہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے[54] اور آخرت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج تصور کیا جاتا ہے۔ یہودیت میں آخرت کے منکر کے لیے ایسی کوئی سخت تاکید نہیں ہے۔ یہودیت میں جو لوگ اخروی سزا و جزا کے قائل ہیں ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہم چونکہ خدا کی چنیدہ محبوب قوم ہیں اس لیے ہمیں اخروی زندگی میں کسی احتساب سے نہیں گزرنا پڑے گا۔ اگر ایسا کوئی احتساب ہوا تو ہمیں انتہائی خفیف سزا ہو گی اور اس کے بعد ہم جنت میں جائیں گے[55]۔ یہودیت کا یہ تصور اسلامی عقیدہ آخرت سے یکسر مختلف ہے۔

جنت کے مردانہ تصور کا وہ دعویٰ جو بروکلمان نے کیا ہے، باطل ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرما رکھا ہے کہ مردوں اور عورتوں، دونوں کو صالح اعمال کی بنا پر جنت عطا فرمائی جائے گی[56]۔ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ بروکلمان اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ اسلامی عقائد کا فہم حاصل کرنے میں بھی ناکام رہا ہے۔

نماز کے بارے میں شبہات

مستشرقین کی ایک بڑی تعداد ان لوگوں پر مشتمل ہے جنہوں تمام تر اسلامی شعائر کو دیگر ادیان سے ماخوذ قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ اس ضمن میں یہودی شریعت، ایرانی مذہبی رسومات اور روم کے گردونواح میں بسنے والے مشرک قبائل کی نقالی سے اسلام کو متہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کارل بروکلمان نے بھی اس استشراقی منہج فکر کو تسلسل مہیا کیا۔ اس نے سیرت النبی ﷺ پر مباحث کے دوران بعض اسلامی احکامات پر بھی بحث کی ہے۔ اس حوالے سے نماز پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ مسلمانوں نے مکی عہد میں پہلے ایک دن میں دو مرتبہ نماز ادا کی تھی۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو دیکھا کہ یہودی بھی ایک نماز ادا کرتے ہین۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس نماز کو بھی اپنی نمازوں میں شامل کر کے تین نمازیں ادا کرنا شروع کر دیں[57]۔

بروکلمان کے الفاظ میں:

"Whereas his believers in Mecca had prayed only twice a day now, after the example of the Jews, he introduced a third prayer at midday"[58]-

نماز کی فرضیت کے ضمن میں بروکلمان کو چاہیے تھا کہ وہ اسلامی مؤقف کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتا تاکہ وہ کسی قسم کی

علمی یا موضوعی غلطی کا مرتکب ہونے سے بچ جاتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس بنیادی ضرورت کو پورا نہیں کیا ہے اس لیے وہ متناقض اور متضاد بیان پیش کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اول زمانے میں مسلمانوں پر کوئی بھی نماز فرض نہیں تھی اس لیے اس کی ادائیگی یا اس کو ترک کرنے کا کوئی موضوع ہی زیر بحث نہیں ہوتا تھا۔ معراج کے واقعہ سے قبل مسلمانوں پر صرف دو نمازیں فرض تھیں۔ ان میں پہلی نماز فجر کی تھی جو سورج طلوع ہونے سے قبل اور دوسری نماز مغرب کی تھی جو سورج غروب ہونے کے بعد ادا کی جاتی تھی۔ ہجرت مدینہ سے ایک برس قبل معراج کا واقعہ پیش آیا جس میں نبی اکرم ﷺ کو پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا[59]۔

بروکلمان کا یہ کہنا کہ مسلمانوں نے مدینہ میں یہود کی پیروی میں نمازوں کی تعداد تین کر دی اور پھر فارسی مذاہب کی پیروی میں نمازوں کی تعداد پانچ کر دی، باطل ہے کیونکہ نمازوں کی تعداد پانچ، ہجرت مدینہ سے قبل مکہ المکرمہ میں ہی ہو چکی تھی۔ بروکلمان نے یہ بھی نہیں بتایا کہ اپنے اس دعوے کی تشکیل کے لیے اس نے مواد کہاں سے لیا ہے۔ یہ مؤقف اس اعتبار سے بھی باطل ہے کہ عہدی نبوی ﷺ میں مسلمانوں کا فارس کی طرف کسی طرح کا علمی یا عملی رجحان بھی نہیں تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس وقت فارس میں ایسا کوئی مذہب بھی موجود نہیں تھا جس کی تعلیمات الہامی ہوں۔ فارس کے لوگ صابی اور مجوسی عقائد کے حامل تھے جن کو اسلام نے کفر قرار دیا تھا۔

جمعۃ المبارک کی فرضیت

مدینہ میں مسلمانوں پر جمعہ کی نماز باجماعت فرض ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں بروکلمان نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودیوں کی تقلید میں پیغمبر اسلام ﷺ نے جمعہ کی نماز کو فرض قرار دیا کیونکہ یہودیوں میں سبت کی عبادت فرض تھی[60]۔

مؤقف کا تجزیہ

یہودیوں کی تقلید میں جمعہ کی اجتماعی نماز کی فرضیت والا دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ خود بروکلمان نے اس دعوے کو پیش کر کے کچھ عبارات کے بعد خود ہی لکھا ہے کہ شروع میں نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو جمعہ کی نماز سے قبل اور بعد میں کام کاج کرنے سے منع کر دیا تھا لیکن پھر آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ اس میں یہ حکم دیا گیا کہ محض جمعہ کے اوقات میں کام کاج کرنا ممنوع ہے۔ اس کے اوقات سے قبل اور بعد میں معاشی سرگرمیوں کی ممانعت نہیں ہے۔ لہذا جمعہ اور سبت کا اہم فرق یہ ہے کہ سبت کے دن یہودیوں میں ہر ایک معاشی سرگرمی مکمل طور پر حرام ہے۔

اس مؤقف کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جمعہ اور سبت کے احکامات، طریقہ کار، شروط وغیرہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان دونوں کے درمیان اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی بھی ذی فہم بروکلمان کے دعوے کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکتا ہے[61]۔

روزہ کی فرضیت

مدینہ میں مسلمانوں پر روزے فرض ہوئے تھے۔ ان کی فرضیت کس طرح عمل میں آئی؟ کارل بروکلمان نے اس کا جواب دینے کی کوشش

کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ عربی طبیعت کے مالک تھے اس لیے آپ ﷺ نے عربی مزاج کے مطابق اسلام کی تشکیل کی تھی۔اس ضمن میں انھوں نے قرآن مجید کے بعض احکامات کو بھی پسِ پشت ڈال دیا تھا۔قرآن مجید کہتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو محض عربوں کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ آپ ﷺ کی رسالت عالم گیر ہے [62]۔

بروکلمان نے یہ بھی لکھاہے کہ عربوں کے پاس دین کے نام پر جو کچھ بھی تھا نبی اکرم ﷺ نے اس کو اپنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ آپ ﷺ نے یہودیوں سے عاشورہ کا روزہ لیا اور اس کو کبھی بھی منسوخ نہیں کیا تھا۔اس لیے آج بھی مسلمان عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔یہودیوں کی طرح عیسائی بھی روزہ رکھتے ہیں اور وہ اس کے دوران محض گوشت کھانے سے گریز کرتے ہیں اور اسی گریز پر مطمئن ہیں۔اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو رمضان میں روزے رکھنے کا حکم دیا اور اس روزے کی حالت میں ہر قسم کے گوشت اور کھانے کی دیگر اشیاء سے پرہیز کرنے کا حکم دیا تھا۔ غروب آفتاب کے بعد مسلمانوں کو کھانے کی آزادی دی گئی تھی۔ بروکلمان کہتا ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے روزے سے متعلق یہ احکامات عیسائیوں کے کسی "غناسطی فرقے" سے مستعار لیے تھے، عراقی صابیوں کے "حرانی فرقے" سے سیکھے تھے [63] یا عرب کی سرزمین پر پھیلے ہوئے "مانی مذہب" کے مبلغین حاصل کیے تھے۔پیغمبر اسلام ﷺ ان احکامات کو پہلے نہیں جانتے تھے [64]۔

مؤقف کا تجزیہ

اس موضوع پر بروکلمان نے دلائل کی رو سے اپنا مؤقف تشکیل دینے کے بجائے موضوعی انداز میں مختلف کڑیوں کو آپس میں ملا کر ایک ایسا مؤقف تیار کیا ہے جو اٹکل پچو سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ بروکلمان نے یہ تو لکھاہے کہ نبی اکرم ﷺ کی طبیعت میں عربی مزاج تھا لیکن بروکلمان نے یہ وضاحت نہیں کی کہ اگر آپ ﷺ کی رسالت عالم گیر تھی تو آپ ﷺ محض عربی طبیعت کی بنیاد پر شریعت اسلامیہ کی تشکیل کیونکر کر سکتے تھے؟

بروکلمان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہودیوں میں عاشورہ کا روزہ تھا، عیسائی غناسطی بھی روزہ رکھتے تھے ایرانی مانی بھی روزے سے واقف تھے، عراقی صابیوں میں بھی روزے کا تصور موجود تھا لیکن وہ خود یہ تسلیم بھی کرتا ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ مسلمانوں نے ان میں سے کہاں سے روزے کے احکامات لیے تھے۔ بروکلمان یہاں مطالعہ کے فقدان کا شکار ہے کیونکہ اس زمانے میں ہندو بھی روزے پر عمل پیرا تھے۔ مذکورہ تمام اقوام کے روزوں کو اسلام مسترد نہیں کرتا ہے بلکہ قرآن مجید خود یہ فرماتا ہے کہ مسلمانوں سے پہلی اقوام پر بھی روزے فرض کر دیے گئے تھے [65]، تو پھر مسلمانوں کے روزے کے بارے میں اچنبھا محسوس کرنے کی کیا وجہ ہے؟

اگر عراق کے صابیوں میں مارچ کے مہینے کے روزے رکھے جاتے تھے اور مسلمانوں نے ان کی تقلید کی تھی تو پھر مسلمانوں کے لیے مارچ کے مہینے کے روزے رکھنے کا پابندی ہوتی جب کہ اسلام نے ستارہ پرستوں کو مشرک قرار دیتے ہوئے حکم دیا ہے کہ سورج اور چاند کی پوجا مت کرو۔ نیز اسلام نے اگر رمضان میں روزے فرض کیے ہیں تو اس کی ایک کا سبب یہ بھی بتادیا ہے کہ اس مہینے میں قرآن مجید کا نزول ہوا تھا [66]

اوراس کا مقصد صابیوں کی طرح چاند کی تسبیح کرنا نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیز گاری پیدا کرنا ہے۔اس اعتبار سے یہ دعویٰ غلط ہے اور بروکلمان کے پیروکاروں کو چاہیے کہ وہ اس دعوے کی کوئی نئی منطقی توضیح پیش کریں۔

حج کی فرضیت

مدینہ منورہ میں مسلمانوں پر حج کی فرضیت کے احکامات آئے تھے۔حج کے دوران مسلمان جن شعائر کی پابندی کرتے ہیں ان کو کارل بروکلمان نے عہد جاہلیت کی مذہبی رسوم کا امتداد قرار دیا ہے۔حجر اسود کو مس کرنے کا بوسہ دینے کو کارل بروکلمان نے مشرکانہ رسوم کا امتداد قرار دیا ہے۔اس نے حج کو بھی اسی پہلو میں پیش کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ حج بھی ان میں سے ہی ایک ہے اور اس کے ضمن میں مذکور احادیث مبہم اور متضاد ہیں [67]۔

دعوے کا تجزیہ

اس ضمن میں بھی اگر اسلامی نصوص کو دیکھ لیا جاتا تھا شاید یہ دعوی کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔قرآن مجید کی رو سے حج ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہی مشروع ہو چکا تھا اور کعبۃ اللہ کی تعمیر کے پیچھے بھی ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ حج اور عمرہ کرنے والے اس کا اعتکاف کریں۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ [68]

ور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ اور سراسر امن بنایا،اور تم ابراہیم کی جائے قیام کو نماز کی جگہ بناؤ۔اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔

مشرکین میں ابراہیم علیہ السلام کے مذہبی شعائر کی کچھ باقیات موجود تھیں۔حج بھی ان میں سے ایک تھا۔لہٰذا یہ دینِ ابراہیم کا باقی رہ جانے والا شعار تھا،مشرکین کی مذہبی رسم نہیں تھا۔

اسلامی حدود و تعزیرات پر اعتراض

مدینہ میں اسلامی حدود و تعزیرات کا نفاذ عمل میں آیا تھا۔اس ضمن میں آپ ﷺ کی جانب سے بعض جرائم کے مرتکبین کو دی جانے والی سزائیں بھی روایات میں موجود ہیں۔بروکلمان کا دعویٰ ہے کہ جرائم کے مرتکبین کے لیے اسلام نے وحشیانہ سزائیں تجویز کر رکھی ہیں۔قاتل کی سزا موت،چور کی سزا قطع ید،زنا کی سزا کوڑے اور رجم،ان کے علاوہ مرتد کی سزا موت ایسے قوانین غیر انسانی ہیں [69]۔

مؤقف کا تجزیہ

یہ دعویٰ بھی باطل ہے کیونکہ ان سزاؤں سے زیادہ سخت اور "وحشیانہ" سزائیں خود بائبل میں مذکور ہیں۔چنانچہ بائبل کے مطابق :

- اگر کوئی کسی خاتون کو غلط نظر سے دیکھے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ خود ہی اپنی آنکھ نکال کر پھینک دے[70]۔
- اگر کوئی مرد و عورت زنا کے مرتکب ہوں تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے[71]۔
- چور سے چوری شدہ چیز کی مالیت کا دوگنا وصول کیا جائے[72]۔
- قذف کے مرتکب کو سو مثقال چاندی جرمانہ کر کے اس کی شادی زبردستی اس لڑکی کے ساتھ کر دی جائے جس پر اس نے تہمت لگائی تھی۔ تاکہ وہ زندگی بھر لوگوں سے منہ چھپاتا پھرے۔
- مرتد کو سنگسار کر کے قتل کر دیا جائے[73]۔
- قاتل کو قتل کر دیا جائے[74]۔
- اپنے والدین پر سب وشتم کرنے والا قتل کر دیا جائے[75]۔

قتل، ملک سے غداری، منشیات فروشی، جاسوسی وغیرہ ایسے جرائم کی سزا آج بھی مغربی ممالک سمیت دنیا کے ایک بڑے حصے پر رائج ہے۔ اس لیے انسانی صحت، معاشرے کی بقا، نسل کے تحفظ اور زندگی کے برقرار رہنے کے لیے اسلام نے جو سزائیں تجویز کی ہیں، ان میں سے اکثر بائبل میں بھی مذکور ہیں۔ ان سزاؤں کے بارے میں استشراقی طبقے کی توضیحات کس نوعیت کی ہیں؟ اس کا تسلی بخش جواب تا حال سامنے نہیں آسکا ہے جب کہ اسلامی حدود و تعزیرات کی مقصدیت وافادیت پر مسلمان قانون دان بہترین انداز میں تصریحات پیش کر چکے ہیں[76] لیکن کارل بروکلمان نے ان سے اعتناء کیے بغیر ہی ایک ایسا دعویٰ کر دیا ہے جس کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے بلکہ وہ مکمل طور پر تعصب کا عکاس و غماز ہے۔

خواتین کے حجاب کا مسئلہ

مدینہ میں مسلمان خواتین پر حجاب فرض ہوا تھا۔ کارل بروکلمان کا دعویٰ ہے کہ عہد بنو امیہ سے قبل مسلمان معاشرے میں حجاب کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اس دعوے کو پیش کرنے کے بعد دیگر مستشرقین کی طرح بروکلمان نے بھی ایک طویل بحث کی ہے[77]۔

مؤقف کا تجزیہ

حجاب کا ذکر قرآن مجید میں ہے[78] اور نبی اکرم ﷺ کی احادیث اس پر شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ صحابیات کا کردار بھی حجاب کے وجوب اور اس پر عمل کرنے کی متعدد نظیروں کو پیش کرتا ہے۔ اسلام میں نہ صرف حجاب کا حکم دیا گیا تھا بلکہ اس کی ذیلی تعلیمات بھی تفصیل سے بیان کی گئی تھیں[79]۔ یہ زمانہ بنو امیہ سے پہلے کا تھا جس میں حجاب کو فرض قرار دے کر خواتین کی شرم وحیاء اور ان کی عفت و عصمت کی حفاظت کو یقینی بنا دیا گیا تھا۔ اس اعتبار سے بروکلمان کا دعویٰ نہ صرف یہ کہ تاریخی حقائق سے چشم پوشی پر مبنی ہے بلکہ اس دعوے کی علمی حیثیت بھی انتہائی کمزور ہے۔

دراصل خواتین کی آزادی کے مغربی تصور اور فیمنزم کی شتر بے مہار لہر کو اسلامی ممالک میں پذیرائی نہیں مل سکی ہے۔ اس لیے مستشرقین

اور بعض متجددین کی طرف سے حجاب کے اسلامی تصور پر قدغن لگانے کے لیے اسلامی نصوص کی فاسد تاویلات اور اسلامی تاریخ کا غلط انداز میں تعبیری اسلوب اپنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔اس ضمن میں برصغیر میں جن لوگوں کی جانب سے اس منہج کو قبول کیا گیا ہے ان کے افکار کا روایت پسند اسلامی مفکرین نے علمی اعتبار سے محاکمہ کر رکھا ہے[80]۔

نکاح وطلاق کے اسلامی نظریے پر اعتراض

نکاح وطلاق کے تفصیلی احکامات مدینہ میں نازل ہوئے تھے۔اس ضمن میں تعدد ازدواج پر غیر مسلموں کی جانب سے اعتراضات سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا کردار اور آپ ﷺ کی شخصیت، دونوں کی کارل بروکلمان کے اعتراضات میں ہیں۔ اس لیے اس نے آپ ﷺ کی شخصیت کو محور بناتے ہوئے یہ اعتراض کیا ہے کہ اپنے امتیوں کے لیے تو آپ ﷺ نے چار سے زیادہ نکاح مباح نہیں رکھے تھے جب کہ اپنے لیے اس حد کی پابندی ضروری نہیں سمجھی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ نے زیادہ خواتین کو سہارا دینے کے لیے یہ کام کیا تھا تو پھر یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ شریعت نے ہر ایک خاتون کو سماجی مقام ومرتبہ دینے کی تاکید کی ہے۔اس صورت میں زیادہ تر مسلمان ایک ہی بیوی پر قناعت کیوں کرتے ہیں؟ وہ مزید کہتا ہے کہ اسلام میں طلاق ایک آسان عمل ہے۔اس لیے مسلمان ایک وقت میں چار بیویاں رکھتے ہیں اور اگر وہ کسی نئی عورت کے متمنی ہوں تو چار میں سے کسی کو طلاق دے کر نئی عورت کو اپنے عقدِ نکاح میں لے آتے ہیں[81]۔

مؤقف کا تجزیہ

یہاں بھی بروکلمان نے حقائق سے چشم پوشی کی ہے کیونکہ مطالعہ سیرت سے آپ ﷺ کی زوجیت میں چار سے زیادہ خواتین کے مقاصد کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اس ضمن میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ خود بائبل کے مطابق سابقہ انبیاء کی متعدد بیویاں تھیں۔ مثلاً:

- ابراہیم علیہ السلام کی بیویوں سارہ اور ہاجر[82] اور کیثوراہ[83] کا ذکر عہد نامہ عتیق میں مذکور ہے۔ جن مستشرقین نے ماریہ قبطیہ کے نبی اکرم ﷺ کے کنیز ہونے پر اعتراض کیا ہے وہ عہد نامہ عتیق کے اس حوالے کا تاحال کوئی جواب پیش نہیں کر سکے جس میں کیثوراہ کو ابراہیم علیہ السلام کی کنیز قرار دیا ہے اور اس نے ابراہیم علیہ السلام کے سات بیٹوں کو جنم دیا تھا[84]۔
- بائبل کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں لیاہ[85]، راحیل[86]، بلہا[87] اور زِلپاہ[88] تھیں۔
- موسیٰ علیہ السلام کی بھی چار بیویاں تھیں جن کے نام صفوراہ[89]، جشعیاہ، بنت کینائٹ[90] اور حیبر[91] تھے۔
- وہ مستشرقین جو اسلام میں کنیزوں سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے پر معترض ہیں ان کی جانب سے آج تک داؤد علیہ السلام کے اس فتوے کی کوئی توضیح پیش نہیں کی گئی جس میں انھوں نے جنگ میں قید ہو کر آنے والی خواتین سے شادی کرنے کی اجازت دے رکھی تھی[92]۔
- عہد نامہ عتیق نے تو خود داؤد علیہ السلام پر یہ شرمناک الزام لگا رکھا ہے کہ جب وہ ہیبرون سے یروشلم تشریف لائے تب ان کی

متعدد بیویوں کے علاوہ کئی داشتائیں بھی تھیں[93]۔ان کی تقریباً نو بیویوں اور دو داشتاؤں کو عہد نامہ قدیم کے مصنفین نے ناموں کے ساتھ ذکر کر رکھا ہے۔

- داؤد علیہ السلام کے بعد سلیمان علیہ السلام کے بارے میں عہد نامہ عتیق میں لکھا ہے کہ ان کی سات سو بیویاں اور تین کنیزیں تھیں[94]۔

مسلمانوں نے تو آج تک ان پیغمبروں کے تعددِ ازدواج کو مورد طعن نہیں ٹھہرایا۔ حیرت اس بات پر ہی ہے عہد نامہ عتیق کو اپنی شریعت تسلیم کرتے ہوئے اس پر من و عن ایمان رکھنے والوں کو صرف پیغمبر اسلام ﷺ کی نو بیویاں نظر آتی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اگر آپ ﷺ کا امت کو چار تک محدود رکھنا اور خود چار سے زیادہ خواتین کے ساتھ نکاح کرنا قابل اعتراض ہوتا تو آپ ﷺ کے عہد میں مشرکین مکہ اور یہودی کی جانب سے یہ اعتراض ضرور پیش کیا جاتا۔ صحابہ کرام میں بھی بعض حضرات آپ ﷺ سے سوال کرنے میں بے باک تھے۔ وہ بھی اس پر سوال کر سکتے تھے لیکن کسی کی جانب سے ایسا کوئی سوال یا اعتراض سامنے نہیں آیا تھا۔

تیسری بات یہ کہ تعدد ازدواج کے پیچھے پیغمبر اسلام ﷺ کا مقصد خواتین کی قربت نہ تھا کیونکہ آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے والی خواتین میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام خواتین شوہر دیدہ تھیں۔آپ ﷺ کے اس عمل کے پیچھے ہمیشہ مذہبی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی مقاصد کارفرما رہتے تھے۔ مثلاً:

- بنو مصطلق سے سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی زوجیت میں آئیں تو اس قبیلے سے مسلمانوں کی دیرینہ دشمنی ختم ہو گئی۔
- ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کے نکاح کے بعد اسلام کے سخت دشمن ابو سفیان کے دل میں مسلمانوں کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔
- سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے بعد ان کے بھانجے خالد بن ولید نے اسلام قبول کر لیا تھا جو اس سے پہلے اسلام کے سخت دشمن تھے اور احد کی جنگ میں ان کی وجہ سے پانسہ پلٹ گیا جس سے مسلمانوں کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا
- سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے نبی ﷺ کے ساتھ نکاح کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی مہم جوئی نہیں کی تھی۔

ازواج مطہرات کی کثرت نے نو مسلم خواتین کے لیے اسلامی تعلیمات سیکھنے کے ابواب وا کیے اور وہ مسائل کو فطری حیاء کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب سے نہیں پوچھتی تھیں، امہات المومنین سے سیکھتیں اور ان پر عمل کرتی تھیں۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح سے صدیوں پرانی رسم ختم ہو گئی جس کے مطابق لے پالک کی بیوہ یا مطلقہ کے ساتھ شادی کو ناجائز سمجھا جاتا تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کے پیچھے آپ ﷺ کا مقصد اسلام کا تحفظ اور اس کی ترویج تھا[95]۔

بروکلمان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ اسلام میں طلاق ایک آسان عمل ہے۔ اگر اس نے اسلامی فقہ کی کتابوں میں طلاق کے ابواب کا مطالعہ کیا ہوتا تو اس کو معلوم ہوتا کہ یہ کس قدر ثقیل اور تکلیف دہ کام سمجھا جاتا ہے اور اس عمل سے متعلق اسلامی شریعت نے کس قدر تکنیکی امور پر بحث کی ہے۔ حدیث کی رو سے کسی عورت سے شادی کرنا اور اپنی جنسی حاجت پوری کر کے اس کو طلاق دینا کبیرہ گناہ ہے [96]۔ اسی طرح آپ ﷺ نے شوہر سے بلاوجہ خلع طلب کرنے والی عورتوں کو منافق قرار دیا ہے۔ اسی طرح بے وجہ خلع مانگنے والی عورت کے لیے جنت کی خوشبو بھی حرام ہونے کی وعید ہے۔ [97]۔ وہ حدیث معروف ہے جس کے مطابق شیطان اپنے اس چیلے کی سب سے زیادہ ستائش کرتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان طلاق کا سبب بنتا ہے [98]۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں شیاطین نے جادوگروں کے ذریعے زوجین کے درمیان طلاقوں کے اسباب پیدا کیے تھے جس کی قرآن مجید میں سخت مذمت کی گئی ہے [99]۔ اسی لیے اسلام میں جادو کو اکبر الکبائر میں شمار کیا گیا ہے [100] اور جادوگروں کو قتل کرنے کی حد نافذ کی گئی ہے۔ اس حد کے نفاذ کے بعد صحابہ کرام نے متعدد جادوگر قتل کیے تھے [101]۔ کسی تنازع کی صورت میں فریقین کی جانب سے مذاکرات کا حکم ہے جن کی ناکامی ہی طلاق پر منتج ہو سکتی ہے۔ یہ مقالہ ان کی تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں اسلامی فقہ کی روشنی میں طلاق کے احکام پر پیش کی گئی مقالہ جات کا مطالعہ ناگزیر ہے [102]۔ اس کے مقابلے میں مغربی معاشرے نے طلاق کو اس قدر آسان کر دیا ہے اور مرد کے لیے اتنا مشکل کر دیا ہے کہ اس کے خوف سے اس معاشرے کا مرد شادی سے خوف کھاتا ہے۔ طلاق کو عورت کی آزادی اور خود مختاری قرار دیا جاتا ہے جس کی بنا پر وہاں کا فیملی سسٹم بری طرح تلپٹ ہو چکا ہے [103]۔

مدنی دور میں سیاسی احکام کی توجیہ

کارل بروکلمان کا کہنا ہے کہ مدینہ میں آکر نبی اکرم ﷺ کا طریقۂ دعوت و تبلیغ یکسر بدل گیا تھا۔ اب آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ سے سیکھی ہوئی باتوں کی روشنی میں شریعت کی تشکیل شروع کر دی اور اس ضمن میں قرآنی احکام کو بھی نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا [104]۔

مؤقف کا تجزیہ

یہ دعویٰ بھی محض پراپیگنڈہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہود و نصاریٰ سے اخذ و استفادہ نہیں کیا تھا جس کی تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں۔ ثانیاً آپ ﷺ نے کبھی بھی قرآن مجید کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کی تھی بلکہ آپ ﷺ کی احادیث اور سنن قرآن مجید کے احکامات کی ہی تشریح تھیں اور یہ عملی نظائر کی صورت میں اب اسلامی ادب میں محفوظ ہو چکی ہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کمال ذہانت سے نوازا تھا اس لیے اگر کسی معاملے میں کوئی واضح حکم نازل نہیں ہوتا تھا تو اس سے متعلق آپ ﷺ اجتہاد کے ذریعے فیصلہ صادر فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے اجتہادات کتب احادیث میں مذکور ہیں اور ان پر مسلمان علماء نے مستقل تصانیف پیش کی ہیں [105]۔ جہاں بظاہر قرآن و حدیث یا احادیث میں باہم تعارض، تضاد یا ٹکراؤ محسوس ہو وہاں اس تعارض کو رفع کرنے کے تطبیقی یا ترجیحی اصول بھی موجود ہیں [106]۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ نبی اکرم ﷺ وحی الٰہی کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے ذاتی فہم کی بنا پر کوئی فیصلہ صادر فرماتے تھے اور صحابہ کرام کے ساتھ مشاورت کے بعد آپ ﷺ کو صحابی کا مشورہ زیادہ بہتر محسوس ہوتا تو آپ ﷺ اس کے مشورے پر عمل کرتے تھے۔ مثلاً:

- بدر کی جنگ میں آپ ﷺ نے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر اپنا فیصلہ بدل کر مسلمانوں کے لیے پڑاؤ کی جگہ تبدیل کر لی تھی[107]۔
- معروف روایت کے مطابق مدینہ تشریف آوری کے بعد صحابہ کے مشورے کے سبب آپ ﷺ نے تابیر نخلہ کے ضمن میں اپنا فیصلہ واپس لے لیا تھا[108]۔

لہذا بروکلمان کے مذکورہ دعوے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام میں سنت کے تشریعی مقام و مرتبے اور بطور قانون ساز نبی اکرم ﷺ کے اختیارات سے مکمل نابلد تھا۔

اسلام کی آفاقیت

کارل بروکلمان مستشرقین کی اس صف میں کھڑا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی نبوت اور اسلام کی تعلیمات آفاقی اور ابدی نہیں تھیں۔ آپ ﷺ محض عربوں کے لیے ایک مصلح بن کر تشریف لائے تھے اور آپ ﷺ کی اصلاحی سرگرمیاں محدود زمانے کے لیے تھیں[109]۔

مؤقف کا تجزیہ

اس دعوے میں بروکلمان اکیلا نہیں ہے بلکہ صدر اسلام سے ہی ارباب کلیسا نے یہ پراپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے۔ مقالہ نگار کی معلومات کے مطابق گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں پولس انطاکی (Paul of Antioch) وہ پہلا شخص تھا جس نے اس دعوے کو زیادہ تفصیلات کے ساتھ پیش کیا تھا۔ اس کا جواب اسی عہد میں امام شہاب الدین قرافی نے اپنی معروف کتاب "الاجوبۃ الفاخرہ عن الاسئلۃ الفاجرہ" میں[110] اور امام ابن تیمیہ نے اپنی معروف کتاب "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح"[111] میں دے دیا تھا۔ آپ ﷺ کی رسالت عالم گیر اور آفاقی تھی یا نہیں؟ اس کے بارے میں خود قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کو دیکھ لیا جاتا یا امام شہاب الدین القرافی کی مذکورہ کتاب کا مطالعہ کر لیا جاتا تو شاید بروکلمان کو اپنا دعویٰ قائم کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ قرآن آیات کی رو سے آپ ﷺ تمام انسانوں اور تمام جہانوں کے پیغمبر ہیں[112]۔ اس کے علاوہ متعدد احادیث سے بھی آپ ﷺ کی دعوت و اصلاح کی افاقیت مترشح ہے۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ کی سیرت سے بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے غیر عرب حکمرانوں کو اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لیے خطوط لکھے تھے[113]۔ مسلمانوں کی غیر عربوں کے ساتھ جنگیں ہوئی تھیں۔ ان جنگوں میں صحابہ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ اگر آپ ﷺ کی دعوت اور رسالت محض اہل عرب کے لیے ہوتی تو آپ ﷺ کی سیرت کے اس دعوتی و تبلیغی اور جہادی پہلو پر تاریخ خاموش ہوتی۔

نتائج بحث

مستشرقین کی جانب سے عموماً یہ دعویٰ سامنے آتا ہے کہ ان کی تحریروں اور تصنیفات و تالیفات میں سائنسی و علمی منہج کی پیروی کی جاتی ہے اور

اسی منہج کے مطابق وہ اسلام کو سمجھ کر پیش کرتے ہیں۔کارل بروکلمان بھی ان مستشرقین میں سے ایک ہے اور اس نے اپنی کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی مدنی زندگی کے بارے میں جو مباحث پیش کی ہیں وہ مذکورہ منہج کی پیروی کے مظاہر ثابت نہیں ہوئے ہیں۔تاریخی واقعات کو بیان کرنے کے دوران کارل بروکلمان نے جس انداز میں ان پر نکتہ چینی کی ہے وہ اس کی تاریخ نویسی کی دیانت داری پر متعدد سوالات کھڑے کرتا ہے۔بعض مقامات پر واقعات سے متعلق تمام روایات کو مد نظر نہیں رکھا گیا، بعض واقعات میں واقعات اور حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے متعصبانہ سوچ اور فکر کی عکاسی و غمازی کی گئی ہے۔اسلامی عقائد، عبادات اور معاملات کو دیگر مذاہب و ادیان سے ماخوذ قرار دینے کی کوشش میں غیر علمی اور انتہائی سطحی قسم کے موضوعاتی روابط قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کے علاوہ نہ صرف نبی اکرم ﷺ کی کردار کشی اور اسلام کی توہین وتضحیک کی گئی ہے بلکہ ایک ایسا تاثر قائم کیا گیا ہے جس کو قبول کر لینے کی صورت میں غیر مسلموں کے ہاں بین المذاہب برداشت اور ہم آہنگی کے جذبات پیدا ہونے کے بجائے اسلام کے خلاف نفرت اور تعصب کی آگ میں شدت پیدا ہو سکتی ہے۔اس لیے کارل بروکلمان کی کتاب کو کسی طور پر منصفانہ اور علمی اعتبار سے قابل قبول نہیں قرار دیا جاسکتا ہے بلکہ اس کو ان مستشرقین کی تصنیفات کی بازگشت کا نام دیا جاسکتا ہے جن کے مقاصد میں اسلام کے خلاف غلط فہمیاں اور نفرت آمیز جذبات پیدا کرنا سر فہرست ہے۔

مصادر و مراجع (References)

[1] Shah, S.A.., Malik, S.J.., & Ud Din, D.Z.(2023). Carl Brockelmann's views about Makki Era of Holy Prophet's Life,نبی اکرم ﷺ کی مکی زندگی کے بارے میں کارل بروکلمان کی آراء. Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization, 4(4), 28-49. Retrieved from https://arjicc.com/index.php/arjicc/article/view/288

[2] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص42

[3] C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 19

[4] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص42

[5] C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 19

[6] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص43

[7] C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 19

[8] دیکھیے: مولانا وحید الدین خان، شتم رسول کا مسئلہ، الرسالہ بکس، نیو دہلی، (2001ء)، ص9تا21

[9] ڈاکٹر مہدی رزق اللہ، سیرت نبوی، اردو ترجمہ: حافظ محمد امین، دار العلم، ممبئی، (2012ء) ص409

[10] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص46

[11] جامع ترمذی، ح: 2953

[12] دیکھیے: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، دار النفائس، بیروت، (1985ء)، ص570 وما بعد

[13] ان روایات کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

حافظ محمد ابراہیم سلفی، یہود و نصاریٰ کی مخافت کیوں اور کیسے؟، دار الاندلس، لاہور، (س۔ن)

علی بن ابراہیم بن سعود، عجین، مخالفۃ الکفار فی السنۃ النبویۃ، دار المعالی، اردن(1998ء)، ص16تا288

[14] ایضا، ص48، 49

[15] سیرت ابن ہشام، ناشر کا نام غیر مکتوب، قاہرہ،(1975ء)ج1، ص601۔

محمد بن عمر الواقدی، کتاب المغازی، عالم الکتب، بیروت،(1984ء)، ج1، ص13تا18

[16] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص49

[17] C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 23

[18] ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، اردو ترجمہ بعنوان: سیرت رحمت عالم، اردو مترجم: خدا بخش کلیار، نشریات، لاہور،(2017ء)ص144

[19] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص49

[20] C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 24

[21] الانفال:9

[22] صحیح مسلم، ح:1763

[23] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص50، 51

[24] C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 24

[25] دیکھیے: اکرم حسین علی السندی، مرویات تاریخ یھود مدینۃ، اسم الناشر غیر مکتوب،(1980ء)، ص79۔

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری، المجتمع المدنی فی عھد النبوۃ، اسم الناشر غیر مکتوب،(1984ء)، ص137

[26] بنو قینقاع کے مدینہ سے انخلاء کے لیے دیکھیے:

عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بدون الناشر، قاہرۃ،(1975ء)، ج2، ص48۔

محمد بن عمر الواقدی، کتاب المغازی، عالم الکتب، بیروت،(1984ء)، ج1، ص176تا180

[27] غزوہ ذات الرجیع کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: محمد بن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، دار سویدان، بیروت،(س۔ن)، ج3، ص538۔ کتاب المغازی للواقدی، ج1، ص354تا362

[28] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص52

[29] C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 25

[30] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص54

[31] ولہاؤزن، تاریخ الدولۃ العربیۃ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، قاہرہ،(1968ء)، ص15تا16

[32] David Margoliuth, Muhammad the rise of Islam, London, (1905), P. 262, 263

[33] عبد الرزاق بن ہمام، المصنف، المکتب الاسلامی، بیروت،(1972ء)، ج5، ص360، 359

[34] احمد ابن حجر الاعسقلانی، فتح الباری، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، قاہرہ،(1978ء)، ج5، ص202

[35] اس کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، دار سویدن، بیروت(س۔ن)، ج3، ص 9۔ عماد الدین ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار الکتب، بیروت،(1985ء)، ج2، ص76تا81

[36] دیکھیے: ابو جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ طبری،، دار سویدن، بیروت(س۔ن)، ج2، ص581تا594۔

عماد الدین ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار الکتب، بیروت، (1985ء)، ج4، ص118

[37] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص56

[38] C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 28

[39] صلح حدیبیہ کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: تاریخ طبری، ج2، ص260

[40] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص58،59

[41] دیکھیے: الحج:78، النحل:123۔ آل عمران:95،96۔ النساء:25۔ الانعام:161۔ البقرہ:135

[42] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص65

[43] حنین کے غنائم کی تقسیم کے بارے میں تفصیلات کے لیے دیکھیے:

محمد احمد باشمیل، غزوہ حنین، اردو ترجمہ: اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، (1988ء)، 266تا288

[44] دیکھیے:

محمد احمد باشمیل، غزوہ تبوک، اردو ترجمہ: اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، (1989ء)، ص56۔

ڈاکٹر عبداللہ قاضی، بدر سے تبوک تک، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، (1994ء)، ص243

[45] اس پورے مقدمے کا اسلامی جوابی بیانیہ دیکھیے:

ظفر علی قریشی، امہات المؤمنین اور مستشرقین، ضیاء القرآن پبلشرز، لاہور۔ (2010ء)، ص50تا67

[46] دیکھیے:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی وجانشینی، اردو ترجمہ: پروفیسر خالد پرویز، بیکن بکس، لاہور، (2006ء)، ص147تا151۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، (1981ء)، ص234تا ص254

[47] تفصیل کے لیے دیکھیے:

صحیح بخاری، ح:2933 اور اس فتح الباری میں اس حدیث کی شرح کا مطالعہ بھی انتہائی مفید ہے۔

[48] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص71

[49] گولڈ زیہر، العقیدہ والشریعۃ فی الاسلام، ناشر کا نام غیر مکتوب، قاہرہ، (1948ء)، ص32،31۔

[50] Dr. Mustafa Azmi, Studies in Hadith Literature, American Trust Publications, (1978)

عفاف صبرۃ، المستشرقون ومشکلاتھم الحجاریۃ، قاہرہ، (1980ء)، ص171۔

ڈاکٹر ساجد الرحمان صدیقی، کتابت وتدوین حدیث، مکتبہ عمر فاروق، کراچی، (2008ء)۔

سید مناظر احسن جیلانی، تدوین حدیث، المیزان پبلشرز، لاہور، (2005ء)

[51] النازعات:42تا46

[52] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص71

[53] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص72

[54] البقرہ:4

[55] البقرہ:80

[56] النحل:97۔النساء:124۔الحدید:12

[57] History of the Islamic Peoples, P.34,73

[58] 21-22

[59] محمد بن علی بن محمد الشوکانی، نیل الاوطار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، (1983ء)، ج1، ص285

[60] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص47

[61] جمعہ اور سبت کے تقابل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر محمد الھواری، السبت والجمعۃ فی الیھودیۃ والاسلام، دار الھانی، قاہرہ، (1988ء)، ص235تا254

[62] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص48

[63] یہ لوگ مارچ کے مہینے میں چاند کی تسبیح کے طور پر ایک ماہ کے روزے رکھتے تھے۔

[64] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص75

[65] البقرہ:183

[66] البقرہ:185

[67] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص65

[68] البقرہ:125

[69] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص82

[70] متی، باب5، فقرہ27تا29

[71] استثناء، باب22، فقرہ22تا25

[72] خروج، باب4، فقرہ23

[73] استثناء، باب2، فقرہ8تا13

[74] خروج، باب21، فقرہ14

[75] خروج، باب2، فقرہ21

[76] اس ضمن میں سب سے زیادہ مفید کام دیکھیے:

عمر بن مساعد مھنا الشربونی، اراء المستشرقین حول العقوبات فی الاسلام، مقالہ پی ایچ ڈی، جامعۃ الطیبۃ، سعودی عرب، (2004ء)، ص85تا309

[77] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص55

[78] النور:31۔الاحزاب:33

[79] ان آیات، روایات اور آثار کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

ڈاکٹر عمران ایوب، لباس و حجاب کی کتاب، فقہ الحدیث پبلی کیشنز، لاہور، (2011ء)، باب نمبر3، ص119تا168

[80] ڈاکٹر حافظہ عائشہ مدنی، بیسویں صدی میں حقوقِ نسواں کی تعبیرِ نو، غیر مطبوعہ پی ایچ ڈی مقالہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، (2004ء)ص554 تا577

[81] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص81،80

[82] پیدائش، باب16، فقرہ1تا4۔ با17، فقرہ15تا16

[83] پیدائش، باب25 فقرہ1تا2

[84] تواریخ، باب32۔ سات بیٹوں کے لیے دیکھیے: پیدائش، باب25 فقرہ1تا2

[85] پیدائش، باب29، فقرہ23

[86] پیدائش، باب29، فقرہ18

[87] پیدائش، باب30، فقرہ4

[88] پیدائش باب30، فقرہ11تا12

[89] خروج، باب2، فقرہ21

[90] قاضیوں، باب1، فقرہ16

[91] قاضیوں، باب4، فقرہ11

[92] استثناء، باب21، فقرہ10تا13

[93] 2۔سیموئیل، باب5، فقرہ13تا16

[94] 1۔ملوک، باب11، فقرہ1تا3

[95] ظفر علی قریشی، امہات المومنین اور مستشرقین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، (2010ء)ص112تا114

[96] السلسلۃ احادیث الصحیحۃ، ح:999

[97] جامع ترمذی، ح:1186،1190،1191،1192

[98] صحیح مسلم، ح:2813

[99] البقرہ:102

[100] صحیح بخاری، ح:2766

[101] سنن ابو داؤد، ح:3043

[102] دیکھیے:

فتاویٰ نکاح وطلاق، مرتب: حافظ عمران ایوب، فقہ الحدیث پبلی کیشنز، لاہور، (2006ء)، ص35تا

[103] تفصیل کے لیے دیکھیے:

سمیحہ راحیل قاضی، اسلام کا خاندانی نظام اور عصری و تہذیبی تحدیات، مقالہ پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2009ء

[104] کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص68

105دیکھیے:

ڈاکٹر نادیہ العمری، اجتہاد الرسول، دار النشر، بیروت۔

عبدالجلیل عیسیٰ ابو النصر، اجتہاد نبی الاسلام، دار احیاء الکتب العربیۃ، قاہرہ۔

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، جامع الاصول (الوجیز فی اصول الفقہ) اردو مترجم: ڈاکٹر احمد حسن، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، (2014ء)، ص642۔

106دیکھیے:

ڈاکٹر عبدالعزیز بن محمد العوید، المدونۃ فی التعارخ والترجیح، الجمیعۃ الفقھیۃ السعودیۃ، الریاض، (1441ھ)، ص205تا360

107دیکھیے: سیرت ابن ہشام، ج1، ص260

108 صحیح مسلم، ح:6128

109کارل بروکلمان، تاریخ الشعب الاسلامیہ، ص64

110دیکھیے: شہاب الدین القرافی، الاجوبۃ الفاخرۃ عن الاسئلۃ الفاجرۃ، تحقیق محمد ناجی داؤد، جامعۃ ام القریٰ، مکۃ المکرمۃ، (1985ء)، ص148تا157

111احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، دار التاصیل، جدۃ، (1440ھ)، ج۱، ص41ومابعد

112سبا:28۔الاعراف:158۔

113ان خطوط کی تفصیلات کے لیے دیکھیے:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ، دار النفائس، بیروت، (1985ء)، ص99ومابعد

References

1. Shah, S.A.., Malik, S.J.., & Ud Din, D.Z.(2023). Carl Brockelmann's views about Makki Era of Holy Prophet's Life,نبی اکرم ﷺ کی مکی زندگی کے بارے میں کارل بروکلمان کی آراء. Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization, 4(4), 28-49. Retrieved from https://arjicc.com/index.php/arjicc/article/view/288
2. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 42
3. C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 19
4. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 42
5. C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 19
6. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 43
7. C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 19
8. See: Maulana Wahid-ud-Din Khan, The Issue of Shatam Rasool, Al-Rasala Books, New Delhi, (2001), pp. 9-21. Dr. Mehdi Razzaqullah, Sirat-e-Nabawi, Urdu translation: Hafiz Muhammad Amin, Dar-ul-Ilm, Mumbai, (2012) p. 409
9. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 46
10. Comprehensive Termit, H: 2953
11. See: Dr. Muhammad Hameedullah, Majmoo'at al-Wathaiq al-Siyasiyyah, Dar al-Nafais, Beirut, (1985), p. 570 and later
12. For details on these traditions, see:
    Hafiz Muhammad Ibrahim Salafi, Why and How the Jews and Christians?
    Ali bin Ibrahim bin Saud, Ajeen, Al-Qafār fi al-Sunnah al-Nabawiyyah, Dar al-Ma'ali, Jordan (1998), pp. 16-288
13. Ibid, pp. 48، 49

14. Sirat Ibn Hisham, Publisher's Non-Letter, Cairo, vol. 1, p. 601.
Muhammad bin Umar al-Waqidi, Kitab al-Maghazi, Alam-ul-Kutub, Beirut, vol. 1, pp. 13-18
15. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 49
16. C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 23
17. Dr. Akram Zia-ul-Amri, Al-Sirat al-Nabawiyyah al-Sahiha, Urdu translation by Sirat Rehmat Alam, Urdu translator: Khuda Bakhsh Kaliyar, Broadcast, Lahore, (2017) p. 144
18. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 49
19. C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 24
20. Anfal:9
21. Sahih Muslim, 1763
22. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 50, 51.
23. C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 24
24. See: Akram Husayn Ali al-Sandi, Marwiyat Tarikh Yahud Madinah, Ism al-Nashr al-Naqtaf, (1980), p. 79.
Dr. Akram Zia al-Amri, Al-Mujtama al-Madani fi Ahad al-Nabu'ah, Ism al-Nashr al-Naqtab, (1984), p. 137
25. For the evacuation of Banu Qainqa'a from Medina, see:
'Abd al-Malik ibn Hisham, al-Sirat al-Nabawiyyah, Badun al-Nashr, Cairo, (1975), vol. 2, p. 48.
Muhammad bin Umar al-Waqidi, Kitab al-Maghazi , Alam-ul-Kutub, Beirut(1984), vol. 1, pp. 176-180
26. For details of the Battle of Jaat al-Razia, see: Muhammad bin Jarir Tabari, Tarikh al-Rasal wa'l-Muluk, Dar-e-Swedan, Beirut. n), vol. 3, p. 538. Kitab al-Maghazi l-Lwaqidi, vol. 1, pp. 354-362
27. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 52.
28. C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 25
29. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 54.
30. Wilhausan, Tarikh al-Dawlat al-Arabiyyah, Al-Maktabat al-Lajnah al-Talif wa'l-Translation wal-Nashr, Cairo, (1968), pp. 15-16
31. David Margoliuth, Muhammad the rise of Islam, London, (1905), P. 262, 263
32. 'Abd al-Razzaq ibn Hammam, al-Lekhak, al-Maktab al-Islami, Beirut, (1972), vol. 5, p. 359, 360
33. Ahmad ibn Hajar al-Asqalani, Fath al-Bari, Maktabat al-Kaliyat al-Azhariyya, Cairo, (1978), vol. 5, p. 202.
34. For details, see Abu Ja'far Muhammad bin Jarir, Tarikh Al-Tabari, Dar-e-Sweedan, Beirut. n), vol. 3, p. 9. Imad al-Din Ibn Kathir, al-Badayah wa'l-Nihaya, Dar-ul-Kutub, Beirut, vol. 2, pp. 76-81
35. See: Abu Ja'far Muhammad bin Jarir Al-Tabari, Tarikh al-'Umm wa'l-Muluk, also known as Tarikh al-Tabari, Dar-e-Sweedan, Beirut(s. n), vol. 2, pp. 581-594.
Imad al-Din Ibn Kathir, al-Badayah wa'l-Nihaya, Dar-ul-Kutub, Beirut, (1985), vol. 4, p. 118
36. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 56.
37. C. Brocklemann, History of the Islamic People, p 28
38. For details on the Treaty of Hudaibiya, see Tarikh al-Tabari, vol. 2, p. 260.
39. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 59, 60.
40. See al-Hajj: 78, al-Nahl: 123. Al-Imran: 95, 96. Al-Nissa: 25. Al-Anam: 161. Al-Baqara: 135
41. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 65.
42. For details on the distribution of Hanin's ganaim, see:
Muhammad Ahmad Bashmail, Ghazwa Hanin, Urdu translation: Akhtar Fatehpuri, Nafees Academy, Karachi, (1988), 266-288
43. See:
Muhammad Ahmad Bashmel, Ghazwa Tabuk, Urdu translation: Akhtar Fatehpuri, Nafis Academy, Karachi, (1989), p. 56.

Dr. Abdullah Qazi, From Badr to Tabuk, Maktaba Quddusia, Lahore, (1994), p. 243

44. Look at the Islamic counter-narrative to this whole case:
Zafar Ali Qureshi, Ummat-ul-Momineen and Orientalists, Zia-ul-Quran Publishers, Lahore. (2010), pp. 50-67
45. See:
Dr. Muhammad Hameedullah, Rule and Succession of Muhammad Rasulullah, Urdu translation: Professor Khalid Pervaiz, Beacon Books, Lahore, (2006), pp. 147-151.
Dr. Muhammad Hameedullah, System of Governance in the Prophet's Era, Urdu Academy, Karachi(1981), pp. 234-254
46. For details, see:
47. It is also very useful to read the commentary of this hadith in Sahih Al-Bukhari, 2933 and this Fath al-Bari.
48. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 71.
49. Goldzehr, Al-Qa'ida wa'l-Shari'ah fi'l-Islam, Publisher's Non-Letter, Cairo, (1948), pp. 31,32.
50. Dr. Mustafa Azmi, Studies in Hadith Literature, American Trust Publications, (1978)
Afaf Sabra, Al-Mustashraqun wa Muqaddatham al-Hujaria, Cairo, (1980), p. 171.
Dr. Sajid-ur-Rehman Siddiqui, Book and Edit hadith, Maktaba Umar Farooq, Karachi, (2008).
Sayyid Manazir Ahsan Jilani, ed. Hadith, Al-Mizan Publishers, Lahore, (2005)
51. Al-Naziat:42 ta 46
52. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 71.
53. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 72.
54. Al-Baqara:4
55. Al-Baqara:80
56. Bees:97. Women:124. Iron:12
57. History of the Islamic Peoples, P.34,73
58. 21-22
59. Muhammad b. 'Ali b. Muhammad al-Shukani, Neel al-Awtar, Dar-ul-Kutub al-Ilmiyyah, Beirut, (1983), vol. 1, p. 285
60. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 47.
61. For a comparison of Jumu'ah and Sabbath, see Dr. Muhammad al-Hawari, Al-Sabat wa'l-Jama'ah fi al-Judaiyyah wa'l-Islam, Dar al-Hani, Cairo, (1988), pp. 235-254.
62. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 48.
63. These people used to fast for a month in the month of March as a celebration of the moon.
64. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 75.
65. Al-Baqara: 183
66. Al-Baqara: 185
67. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 65.
68. Al-Baqara: 125
69. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 82.
70. Matthew, chapter 5, phrases 27-29
71. Deuteronomy, chapter 22, phrases 22-25
72. Exodus, Chapter 4, Phrase 23
73. Deuteronomy, chapter 2, phrases 8 to 13
74. Exodus, Chapter 21, Phrase 14
75. Exodus, Chapter 2, Phrase 21
76. See the most useful work in this regard:
'Umar b. Mas'ad Mahna al-Sharbofi, Ara'a al-Mustashirqin Hawl al-Aqbat fi'l-Islam, Ph.D., Jamiat al-Taybah, Saudi Arabia, (2004), pp. 85-309

77. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 55.
78. Al-Noor:31–Al-Ahzab:33
79. For details of these verses, traditions, and relics, see:
    Dr. Imran Ayub, Book of Dress and Hijab, Fiqh-ul-Hadith Publications, Lahore, (2011), Chapter No. 3, pp. 119-168
80. Dr. Hafiza Ayesha Madani, Reinterpretation of Women's Rights in the Twentieth Century, unpublished PhD thesis, Allama Iqbal Open University, Islamabad(2004), pp. 554-577
81. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 80, 81.
82. Genesis, chapter 16, phrases 1 to 4. Ba 17, phrases 15 to 16
83. Genesis, Chapter 25 Phrases 1 to 2
84. Chronicles, Chapter 32. For seven sons, see Genesis, chapter 25, phrases 1-2.
85. Genesis, chapter 29, phrase 23
86. Genesis, chapter 29, phrase 18
87. Genesis, chapter 30, phrase 4
88. Genesis chapter 30, phrases 11 to 12
89. Exodus, Chapter 2, Phrase 21
90. Judges, Chapter 1, Phrase 16
91. Judges, Chapter 4, Phrase 11
92. Deuteronomy, chapter 21, phrases 10 to 13
93. 2- Samuel, chapter 5, phrases 13-16
94. 1- Muluk, chapter 11, phrases 1-3
95. Zafar Ali Qureshi, Ummat-ul-Momineen and Orientalists, Zia-ul-Quran Publications, Lahore, (2010), pp. 112-114
96. Al-Silsila Ahadith al-Sahih, h.999
97. Comprehensive Termidi, c:1186, 1190, 1191, 1192
98. Sahih Muslim, H. 2813
99. Al-Baqara: 102
100. Correct Heater, H: 2766
101. Sunan Abu Dawud, 3043
102. See:
    Fataawa Nikah wa Talaq, compiled by Hafiz Imran Ayub, Fiqh-ul-Hadith Publications, Lahore, (2006), p. 35 to
103. For details, see:
    Samiha Raheel Qazi, Family System of Islam and Contemporary and Cultural Boundaries, PhD thesis, Department of Islamic Studies, Punjab University, Lahore, 2009
104. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 68.
105. See:
    Dr. Nadia al-Amri, Ijtihad al-Rasul, Dar al-Nashr, Beirut.
    'Abd al-Jalil Isa Abu al-Nasr, Ijtihad Nabi al-Islam, Dar-i-Ahya al-Kutub al-Arabiya, Cairo.
    Dr. Abdul Karim Zaidan, Jami-ul-Usul (Logies fi Usul al-Fiqh), Urdu Translator: Dr. Ahmad Hasan, Shariah Academy, Islamabad, (2014), p. 642.
106. See:
    Dr. Abdul Aziz bin Muhammad al-Awwid, al-Madunah fi al-Ta'aarkh wa'l-Priority, al-Jami'ah al-Fiqhiyyah al-Saudia, al-Riyadh, (1441 AH), pp. 205-360
107. See Sirat Ibn Hisham, vol. 1, p. 260
108. Sahih Muslim, H.6128
109. C. Brocklemann, History of the Islamic Branches, p 64.

110. See: Shahab al-Din al-Qurafi, Al-Ajooba al-Fakhra an al-Isila al-Fajra, Research by Muhammad Naji Dawud, Jamiat Umm al-Qura, Makat al-Mukarramah, (1985), pp. 148-157.
111. Ahmad b. 'Abd al-Haleem ibn Taymiyah, al-Jawab al-Sahih laman badal din al-masih, Dar al-Taseel, Jadah, (1440 AH), vol. 41 and later
112. Spa:28. Norms:158.
113. For details on these letters, see:
    Dr. Muhammad Hameedullah, Al-Wuthaiq al-Siyasiyyah, Dar al-Nafais, Beirut, (1985), p. 99 and later.